اقبال کا قرینہ عشق رسول

ڈاکٹر طالب حسین سیال

رسول رحیم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو اجاگر کرنے کے لیے اہل رحیم یار خان کو سیرت کانفرنس کے اہتمام پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ رسول رحیم کی ترکیب سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۲۸ سے اخذ کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

تم میں سے تمہاری طرف رسول آیا کہ جسے تمہاری تکالیف اور رنج والم ناگوار ہیں، حریص ہے تمہاری بھلائی پر اور مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

حضرت محمد ﷺ صرف مومنوں کے لیے ہی روف اور رحیم نہیں بلکہ وہ تو رحمۃ للعالمین ہیں سارے جہانوں کے لیے، باعث رحمت ہیں۔ انہوں نے امن و سلامتی کے پیغام یعنی اسلام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ یہ وہی پیغام ہے جو ہر پیغمبر خدا نے اپنے اپنے عہد میں اپنی اپنی قوم کے سامنے پیش کیا جب کہ رحمۃ للعالمین نے مکمل و اکمل شکل میں تمام بنی نوع انسان کے لیے پیش کیا۔ اُن کی انقلابی تعلیم نے امن و سلامتی، احترام آدمیت، سماجی مساوات اور عدل و انصاف کے ہمہ گیر اصولوں کو اجاگر کر کے انسانی حقوق کے منشور سے آشنا کیا۔ رسول کریم ﷺ جن کے ذریعہ سے یہ آئین نوبنی نوع انسان کو عطا ہوا اور جن کی اپنی زندگی بھی اس آئین کا عملی نمونہ تھی اور جو مکارم اخلاق کے درجہ تمام پر فائز تھے۔ ان سے محبت و عشق کیوں نہ ہو انہوں نے بھائی چارے و امن کی ایک نئی دنیا بسا دی تھی۔ علامہ اقبال نے روح ابو جہل کے نوحہ کو منظوم کیا ہے جو اس نے حرم کعبہ کے دروازے پر پڑھا تھا:

مذہب او قاطع ملک و نسب   از قریش و منکر از فضل عرب!
در نگاہ او یکے بالا و پست   با غلام خویش بر یک خواں نشست
احمراں با اسوداں آمیختند   آبروئے دودمانے ریختند[1]

اس (حضرت محمد ﷺ) کا مذہب ملک اور نسب کی جڑیں کاٹتا ہے وہ قریش اور عرب کی فضیلت کا منکر ہے۔ اس کی نگاہ میں چھوٹا بڑا یا اعلیٰ و ادنیٰ برابر ہیں۔ وہ اپنے غلام کے ساتھ ایک دستر خواں پر بیٹھتا ہے۔ (اس کے دین کی وجہ سے) کالے گورے مل گئے۔ اس نے خاندان کی آبرو خاک میں ملا دی۔

محبت کا جذبہ فطری جذبہ ہے۔ دیکھا جائے تو کائنات کے ذرے ذرے میں جذب و انجذاب ہے۔ پودوں اور حیوانوں میں فطری جذبہ محبت ان کی بقائے نوع اور بقائے نسل کا ضامن ہے اور یہی فطری جذبہ تہذیب و تطہیر اور تکمیل کے مرتبے میں انسان میں موجزن ہوتا ہے۔ اس کی نوعیت میں وسعت، تنوع اور شعوری رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس جذبہ محبت کے کئی مظاہر اور کئی معروض ہوتے ہیں۔ انسان نیچر کے مظاہر سے محبت کرتا ہے۔ فن اور آرٹ کی تخلیق کرتا ہے۔ اعلیٰ افکار اور اعلیٰ اقدار کی خاطر کٹ مرتا ہے۔ جب انسان کے جذبہ محبت میں پاکیزگی، تقدس اور عقیدت شامل ہو جائے تو اس کی قوت، جوش اور سرشاری میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب اس جذبے اور احساس میں شیفتگی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا انداز والہانہ ہو جاتا ہے تو یہ عشق کہلاتا ہے۔ تصوف اور شاعری کے لٹریچر میں انتہائی محبت کے جذبے کو بیان کرنے کے لیے عشق کی اصطلاح کا استعمال عام ہے۔ عشق کا لغوی مطلب بہت محبت کرنا، محبت میں حد سے بڑھ جانا ہے۔[۲] عشق میں جنون کا عنصر بھی ہوتا ہے شاید اسی وجہ سے کئی علما و حکما حب رسول کی اصطلاح کو ترجیح دیتے ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عربی اصل کی رو سے عشق کے معنوں میں جنوں بھی شامل ہے۔ قاموس میں عشق کو جنون کا ایک حصہ بتایا گیا ہے۔[۳] لیکن یہ وجہ قابل قبول نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے جنون کو مثبت معانی میں استعمال کیا ہے۔ جنون کے مفہوم کی بدولت ہی عشق میں محبت کی شدت، بے قراری اور بے تابی کا عنصر آیا ہے۔ تصوف اور ادبیات میں یہ اصطلاح ایک وسیع، جامع اور ہمہ گیر مفہوم کے لیے استعمال کی جاتی ہے اور ہر خاص و عام اس کو محبت کی شدت، گہرائی اور بے تابیوں کو بیان کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ علامہ اقبال نے جنون کو مثبت معانی میں استعمال کیا ہے اور اس کو ادراک اور شعور کی ایک قسم قرار دیا ہے مثال کے طور پر ان کے دو اشعار ملاحظہ کیجیے:

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعل راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب ادراک[۴]

....

وہ حرف راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں
خدا مجھے نفس جبریل دے تو کہوں[۵]

یہاں اس کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اقبال نے اپنی شاعری میں محبت اور عشق دونوں اصطلاحوں کا استعمال کیا ہے اور اُن کا عشقِ رسول کا قرینہ سب سے جدا ہے۔ عہدِ اقبال سے پہلے اکثر شعراء نے عشقِ رسول کا اظہار کرتے ہوئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام و مرتبہ اور ان کے علو شان کو مدِ نظر رکھا ہے۔ بالعموم ان کے تجسیمی و معنوی حسن اور ان سے عقیدت پر توجہ مرکوز رکھی ہے اور اسی مناسبت سے خاکِ مکہ و مدینہ سے بھی اظہارِ عشق کیا ہے اور ہر اس چیز سے اظہارِ عشق کیا ہے جس کی رسول اللہ سے کوئی نسبت ہو۔ امیر مینائی کہتے ہیں:

یاد جب مجھ کو مدینے کی فضا آتی ہے
سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

یہ اشعار تو نعت کے لٹریچر میں بہت مشہور ہیں:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر　　من وجهك المنير لقد نوّر القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقه　　بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

مرزا غالب نے مرتبہ محمد ﷺ کے عرفان و بیان کے لیے اپنے عجز کا اظہار کیا ہے وہ کہتے ہیں:

غالب ثنائے خواجہ با یزدان گذاشتیم
کآن ذات پاک مرتبہ دان محمد است

علامہ اقبال روایتی شعراء کی طرح رسول رحیم کے مقام و مرتبہ اور آپ کی بلند شان و عظمت کی طرف بھی متوجہ تھے اور اسی وجہ سے خاکِ مدینہ اور خاکِ حجاز سے بھی عشق کرتے تھے۔

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

گرامی کے نام علامہ اقبال ایک خط میں لکھتے ہیں:

مسلم تودۂ خاک نہیں کہ خاک اسے جذب کر سکے...... البتہ اس زمان و مکان کی مقید دنیا کے مرکز میں ایک ریگستان ہے جو مسلم کو جذب کر سکتا ہے اور اس کی قوت جاذبہ بھی ذاتی اور فطری نہیں، بلکہ مستعار ہے ایک کفِ پا سے جس نے اس ریگستان کے چمکتے ذرات کو بھی پامال کیا تھا۔[۲]

جیسا کہ بتایا ہے ہمارے اکثر شعراء نے عہدِ اقبال سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں جو منظوم کلام تخلیق کیا ہے وہ زیادہ تر آپ کے مقام و مرتبہ حسن و جمال اور آپکی شان محبوبیت سے متعلق ہے۔

مولانا الطاف حسین حالی کے دور سے نعت کی ادبیات میں وسعت پیدا ہوئی۔ اب یہ مدح و توصیف رسول اور ان سے عقیدت تک محدود نہ رہی بلکہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و کردار کو بھی اجاگر کیا جانے لگا۔ مولانا حالی نے نعت گوئی کو ایک اچھوتا اور نیا اسلوب دیا۔ اس دور سے برعظیم پاک و ہند میں نعت کے لٹریچر میں نیا رجحان تشکیل ہونا شروع ہوا اور سیرت رسول کو موضوع نعت بنانے کا نیا رجحان علامہ اقبال کے کلام میں بام عروج تک پہنچتا ہے۔ مولانا حالی کے چند اشعار پیش ہیں:

خطا کار سے در گذر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
پلٹ دی بس ایک آن میں اس کی کایا
عرب میں جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا[۷]

اقبال کے ایک دوست مرزا جلال الدین بیرسٹر لکھتے ہیں:

خواجہ حالی مرحوم کے مسدس کے تو (اقبال) عاشق تھے میرے پاس ریاست ٹونک کا ایک شائستہ مذاق ملازم تھا اسے ستار بجانے میں خاص دسترس تھی اور وہ مسدس حالی ستار پر ایک طرز کے ساتھ سنایا کرتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب التزام کے ساتھ ہر دوسرے روز اس سے مسدس سننے کی خواہش کرتے حضور سرور کائنات کی تعریف میں وہ بند جو "وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا سے شروع ہوتا ہے انہیں بطور خاص مرغوب تھا ان کو سنتے ہی ان کا دل بھر آتا اور وہ اکثر بے اختیار رو پڑتے۔

علامہ اقبال کی ایک منفرد خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اسلامیات اور تصوف کی کئی اصطلاحوں کو نئے معانی اور نئے مفاہیم سے آشنا کیا ہے مثلاً وہ دیدار رسول اکرم ﷺ کے معانی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

معنی دیدار آں آخر الزماں
حکم او بر خویشتن کردن رواں
باز خود را بین ہمیں دیدار او است
سنت او سرے از اسرار اوست[۸]

دیدار نبی آخر الزماں کے معانی یہ ہیں کہ تم اپنے اوپر ان کے حکم کو رواں کرو آپ کی سنت کی پیروی میں ڈوب کر خود شناسی حاصل کرو یہی آپ کا دیدار ہے۔ آپ کی سنت آپ کے اسرار میں سے ہے۔

علامہ اقبال نے عشق رسول کے نئے منہاج اور نئی جہات کو روشن کیا۔ فارسی اور اردو ادبیات کو ان جہات کی نئی وسعتوں اور نئی معنوی گہرائیوں سے آشنا کیا۔ عرفان و تخیلات کے نئے جہانوں کا راستہ دکھایا اور سیرت رسول سے محبت کے تقاضوں کو نعت میں سمویا۔ اقبال کے نزدیک عشق ایک مسلک ایک نظریہ اور ایک طریق زندگی ہے۔ کہتے ہیں:

صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق
عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات[۹]

اقبال کا سوز و گداز اور قدرت زبان و بیان اللہ کی خاص عطا ہے۔ اس کی نہایت تو یہ ہے کہ وہ عشق رسول کو امت کی اجتماعی فریاد بنا دیتے ہیں اور بارگاہ رسالت میں اس طرح التجا کرتے ہیں:

حضور ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں[۱۰]

سید فقیر وحید الدین روزگار فقیر میں لکھتے ہیں:

ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی سیرت اور زندگی کا سب سے زیادہ ممتاز، محبوب اور قابل قدر وصف جذبہ عشق رسول ہے۔ ذات رسالت مآب کے ساتھ انہیں جو والہانہ عقیدت تھی۔ اس کا اظہار ان کی چشم نمناک اور دیدۂ تر سے ہوتا تھا۔ کہ جہاں کسی نے حضور کا نام ان کے سامنے لیا، ان پر جذبات کی شدت اور رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کا نام آتے ہی اور ان کا ذکر چھڑتے ہی اقبال بے قابو ہو جاتے تھے۔[۱۱]

مولانا مودودی ایک واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

پنجاب کے ایک دولت مند رئیس نے ایک قانونی مشورے کے لیے اقبال اور سر فضل حسین اور ایک دو اور مشہور قانون دان اصحاب کو اپنے ہاں بلایا اور اپنی شاندار کوٹھی میں ان کے قیام کا انتظام کیا۔ رات کو جس وقت اقبال اپنے کمرے میں آرام کرنے کے لیے گئے تو ہر طرف عیش و تنعم کے سامان کو دیکھ کر اور اپنے نیچے نہایت نرم اور قیمتی بستر پا کر معاً ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ جس رسول پاک کی جوتیوں کے صدقے میں آج ہم کو یہ مرتبے حاصل ہوئے ہیں، اس نے بوریے پر سو کر زندگی گزار دی تھی۔ یہ خیال آنا تھا کہ آنسوؤں کی جڑھی بندھ گئی۔ اس بستر پر لیٹنا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ اٹھے اور برابر کے غسل خانے میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور مسلسل رونا شروع کر دیا۔ جب ذرا دل کو قرار آیا تو اپنے ملازم کو بلوا کر اپنا بستر کھلوایا اور ایک چارپائی اسی غسل خانے میں بچھوائی اور جب تک وہاں مقیم رہے، غسل خانے میں ہی سوتے رہے۔ یہ وفات سے کئی برس پہلے کا واقعہ ہے۔[۱۲]

فکر اقبال کے ماخذ قرآن حکیم اور اسوہ رسول ہیں۔ در حقیقت اسوہ رسول قرآن حکیم کی ہی عملی تفسیر ہے اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ)کان خلقہ قرآن (آپ کا خلق قرآن تھا۔ اقبال کے خطبات مکاتیب اور شاعری میں حکمت، حرارت اور روشنی اسوہ محمد ﷺ سے عشق کا ثمر ہے آپ کے کلام میں آفاقیت، ہمہ گیریت اور اثر آفرینی کلام الٰہی کا فیضان ہے۔ آپ اس شعر پر غور کریں:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بو لہبی است[۱۳]

اپنے آپ کو مصطفیٰ ﷺ تک پہنچاؤ کیونکہ آپ ہی سارا دین ہیں اگر تم وہاں تک رسائی حاصل نہ کر سکو تو سمجھ لو کہ تم بولہبی میں گرفتار ہو۔

اور پھر یہ آیت قرآنی پڑھیں تو معلوم ہو گا کہ اوپر والا شعر اس آیت کی ترجمانی ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ ـــــ[۱۴]

(جس نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی اس نے اطاعت کی اللہ کی)

علامہ اقبال کی نظم جواب شکوہ کا آخری شعر یہ ہے:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں[۱۵]

اللہ تعالیٰ سے اقبال نے اپنے عہد کے مسلمانوں کی زبوں حالی اور ان کی حالت غلامی پر شکوہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا اس کا نچوڑ یہ شعر ہے۔ مراد یہ ہے کہ موجودہ مسلمانوں نے اتباع رسول کو

ترک کر دیا ہے اس لیے مغلوب اور کمزور اور رسوا ہیں۔ اس شعر میں اللہ تعالیٰ کا واضح پیغام ہے کہ محمد ﷺ سے وفا کرو گے تو میں تمہارا ہوں۔ محمد سے وفا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ذات اقدس سے تمہیں ایسی محبت ہو جس کے مقابلے میں تمام محبتیں ہیچ نظر آئیں، اس محبت کی خاطر تم زر و مال کی محبت، جاہ و منصب کی طلب، والدین کی محبت، اولاد کی محبت، تمام انسانوں کی محبت، حتیٰ کہ سب محبتوں، الفتوں اور روابط کو قربان کر دو۔ محمد سے وفا کا مطلب اتباع رسول ہے۔ ان کے اسوہ حسنہ کے مطابق اپنی روش حیات کو بدلنا ہے۔ جب تم اپنے دل میں حب رسول کی یہ کیفیت اور سرشاری محسوس کرو گے تو تم اللہ والے (ولی اللہ) بن جاؤ گے۔ اللہ تمہارا ہو گا۔ تم اپنے عمل سے اپنی تقدیر لکھو گے۔ اللہ تم سے اس قدر راضی ہو گا کہ وہ تمہاری تقدیر لکھنے سے پہلے تم سے پوچھے گا کہ تمہاری رضا کیا ہے۔ علامہ اقبال کا یہ شعر نعت و مدح رسول کے تمام لٹریچر پر بھاری ہے اور کیوں نہ ہو یہ تو قرآن حکیم کی اس آیت کی تفسیر ہے:

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۳۱ [۱۶]

اور کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا اور رحم والا ہے۔

بیسویں اور اکیسویں صدی میں اقبال کو جو مقبولیت، شہرت اور محبت ملی ہے۔ وہ یقیناً عشق رسول کا فیضان اور اثر ہے۔ علم و فضل اور عبادت و ریاضت کرنے والے کئی لوگ اس لیے شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتے کہ ان کا علم اور عبادت بے ریا نہیں ہوتی۔ ریاکاری، دنیا طلبی اور جاہ طلبی سے آلودہ عابد اور عالم کبھی بارگاہ الٰہی اور دربار نبی میں جگہ نہیں پاتے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بت کدہ تصورات[۱۷]

اقبال کے فکر و فلسفہ میں تخیل کی بلندی اور سیرت رسول کی بے کراں جہتوں کی دریافت بھی عشق رسول کا نتیجہ ہے۔ ان کا یہ نظریہ کتنا ایمان افروز اور عہد جدید کی علمی تحقیقات سے ہم آہنگ ہے کہ دین اسلام اور سائنس میں ہم آہنگی ہے اور مسلمان استقرائی دانش کے بانی تھے۔ کیونکہ ان کے قرآن اور رسول نے ان کو حواس خمسہ کے ذریعے حاصل کی جانے والی معلومات کو بھی معتبر قرار دیا تھا۔ اقبال کے تخیل و عرفان کی بلندی ملاحظہ کیجیے۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی ذد میں ہے گردوں

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکون[۱۸]

آخر میں علامہ اقبال کے ایک خط کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے جو انہوں نے ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء میں اپنے والد گرامی کو تحریر کیا تھا۔ لکھتے ہیں:

پرسوں کا ذکر ہے کہ کشمیر سے ایک پیر زادہ مجھ سے ملنے کے لیے آیا۔ اس کی عمر قریباً تیس پینتیس سال کی ہو گی۔ شکل سے شرافت کے آثار معلوم ہوتے تھے گفتگو سے ہوشیار، سمجھدار اور پڑھا لکھا آدمی معلوم ہوتا تھا مگر پیشتر اس کے کہ وہ مجھ سے کوئی گفتگو کرے مجھ کو دیکھ کر بے اختیار زار و قطار رونے لگا۔ میں نے سمجھا کہ شاید مصیبت زدہ ہے اور مجھ سے کوئی مدد مانگتا ہے۔ استفسار حال کیا تو کہنے لگا کہ کسی مدد کی ضرورت نہیں۔ مجھ پر خدا کا بڑا فضل ہے۔ میرے بزرگوں نے خدا کی ملازمت کی اور میں ان کی پنشن کھا رہا ہوں۔ رونے کی وجہ خوشی ہے نہ غم۔ مفصل کیفیت پوچھنے پر اس نے کہا کہ نوگام میں جو میرا گاؤں ہے سری نگر کے قریب ہے میں نے عالم کشف میں نبی کریم کا دربار دیکھا۔ صف نماز کے لیے کھڑی ہوئی تو حضور سرور کائنات نے پوچھا کہ محمد اقبال آیا یا نہیں معلوم ہوا کہ محفل میں نہیں تھا۔ اس پر ایک بزرگ کو اقبال کے بلانے کے واسطے بھیجا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک جوان آدمی جس کی داڑھی منڈھی ہوئی تھی اور رنگ گورا تھا مع ان بزرگ کے صف نماز میں داخل ہو کر حضور سرور کائنات کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ پیر زادہ صاحب کہتے ہیں کہ اس سے پہلے میں آپ کی شکل سے واقف نہ تھا نہ نام معلوم تھا۔ کشمیر میں ایک بزرگ نجم الدین صاحب ہیں جن کے پاس جا کر میں نے یہ سارا قصہ بیان کیا تو انہوں نے آپ کی بہت تعریف کی وہ آپ کو آپ کی تحریروں کے زریعے جانتے ہیں گو انہوں نے آپ کو کبھی دیکھا نہیں۔ اس دن سے میں نے ارادہ کیا کہ لاہور جا کر آپ کو ملوں گا۔ سو محض آپ کی ملاقات کی خاطر میں نے کشمیر سے سفر کیا ہے اور آپ کو دیکھ کر مجھے بے اختیار رونا اس واسطے آیا کہ مجھ پر میرے کشف کی تصدیق ہو گئی کیونکہ جو شکل میں نے آپ کی حالت کشف میں دیکھی اس سے سر مو فرق نہ تھا......... [۱۹]

رسول رحیم ﷺ کے عاشق تو بہتیرے گذرے ہیں اور اب بھی ہیں لیکن جو درد، خلوص وفا اور قرینہ عشق اقبال کو عطا ہوا تھا وہ انہی کا حصہ تھا اللہ تعالی جس کے لیے چاہتا ہے اپنی رحمت مختص کر دیتا ہے:

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے[۲۰]

❁...❁...❁

حوالہ جات و حواشی

۱ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۶۴۳۔
۲ المنجد عربی اردو، دار الاشاعت، کراچی ۱۹۹۴، ص ۶۵۵۔
۳ محمد طاہر فاروقی، ڈاکٹر، اقبال اور محبت رسول ﷺ۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۲۰۰۲، ص ۱۹۔
۴ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۳۵۹۔
۵ ایضاً، ص ۳۱۹۔
۶ مکاتیب اقبال بنام گرامی، اقبال اکادمی، کراچی ۱۹۶۹، ص ۱۴۷، ۱۴۸۔
۷ مولانا حالی
۸ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۸۷۔
۹ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۴۰۴۔
۱۰ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۱۹۷۔
۱۱ فقیر وحید الدین، روز گار فقیر، جلد اول، کراچی ۱۹۶۴ء، ص ۹۴۔
۱۲ محمد حسنین سید، جوہر اقبال، مکتبہ جامعہ، دہلی ۱۹۳۸ء صفحہ ۳۹، ۴۰۔
۱۳ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۲۹۱۔
۱۴ النساء، ۴:۸۰۔
۱۵ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۲۰۸۔
۱۶ البقرہ، ۲:۱۶۵۔
۱۷ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۴۰۴۔
۱۸ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۳۱۹۔
۱۹ جاوید اقبال، زندہ رود، حیات اقبال کا وسطی دور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۴، ص ۲۶۶، ۲۶۷۔
۲۰ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۱۱۴۔